تدوینِ حدیث

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

"علم حدیث کی تدوین" ایک گرانقدر اور بسیط موضوع ہے جس کے لئے محدود صفحات کی تصنیف یا محدود وقت کی تقریر کسی طرح تمام شعبوں پر حاوی نہیں ہوسکتی۔ مسلمان یعنی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقہ بگوش اور کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ کے عقیدتمند یقیناً قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ سمجھتے ہیں، اور اسی لئے انہوں نے بلا تفریق مسلک ومشرب ہمیشہ قرآن کے بعد حدیث کی خدمت ضروری سمجھی اور اس میں پوری سعی وکوشش صرف کی ہے۔

آپس کے ذاتی نظریوں کے اختلاف سے قطع نظر کر کے جب مخلوط ومشترک اسلامی خدمات کے اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خدمت سنّت اور حدیث کی تدوین کا فرض وہ ہے جس کو دونوں ہی فرق نے اپنے اپنے معیارِ نظر کے مطابق بڑی بلند آہنگی اور عرق ریزی سے انجام دیا ہے۔ اور اس میں وہ اپنا خون پسینہ ایک کرتے رہے ہیں اور اس لئے اس موضوع کو اگر مشترکہ اسلامی حیثیت سے تحریر کیا جائے تو وہ یقیناً ایک بہت بڑی مبسوط کتاب کا طالب ہے، جس کے لئے مسلم اکیڈمی کے متعدد جلسے بھی کافی نہیں ہوسکتے، پھر بھلا مجھ میں کہاں ہمت تھی کہ اس موضوع پر تقریر کا مسلم اکیڈمی کے جلسہ میں وعدہ کر لیتا۔

لیکن خوشی کی بات ہے کہ اس موضوع کا ایک شعبہ یعنی "علم حدیث کی تدوین" کے متعلق علمائے اہلسنت و جماعت نے ہر دور زمانہ میں کیا خدمتیں انجام دی ہیں میرے محترم کرم فرما عالی جناب مولانا عنایت اللہ صاحب افسر مدرس مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ نہایت بسط وتشریح وتوضیح وتفصیل کے ساتھ بیان فرما چکے ہیں، جس سے زیادہ نہ میں بیان کرسکتا ہوں اور نہ ضرورت باقی ہے، اس لئے میرے متعلق جو فرض رہ جاتا ہے وہ صرف دوسرے شعبہ کے متعلق کہ "تدوین حدیث" میں شیعہ فرقہ نے کیا خدمات انجام دیئے اور تدوینِ حدیث کی تاریخ اس فرقہ کے روایات کے لحاظ سے کیا ہے اور کس کس دور میں اس میں کیا کوششیں ہوتی رہی ہیں۔

واضح ہو کہ یہ موضوع کوئی اختلافی اور مناظرانہ نہیں ہے تا کہ میں بیان واقعات میں کسی فریق مقابل کے کتب کا پابند ہوں اور انہیں ماخذ بنانے پر مجبور، بلکہ یہ ایک تاریخی اور واقعاتی تبصرہ ہے اور اس میں مشترک اسلامی کتب سے مدد لی جائے گی جن میں خود فرقہ شیعہ کے کتب رجال وروایات بھی داخل ہیں۔

حدیث کے معنی

ہماری اصطلاح میں وہ روایات جس میں قولِ معصوم، فعل معصوم یا تقریر معصوم کی نقل کی گئی ہو، حدیث کہلاتی ہے۔ قول و فعل کے معنی ظاہر ہیں۔ تقریر کے معنی ہیں کسی دوسرے کے کسی

قول یا فعل پر جو معصوم کے سامنے ہوا معصوم کا راضی رہنا اور رضا مندانہ سکوت کرنا۔ یہ بے شک حجت اور واجب العمل ہے۔

★ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی★ ما أتاکم الرّسول فخذوہ و مانھاکم عنه فانتھوا★ اطیعو االلّٰہ و اطیعوا الرّسول و اولی الامر منکم★ ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ۔

قرآن مجید کے بعد حدیث کے استناد و اعتبار کے قوی دلائل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ''**انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ و عترتی اھل بیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا ابعدی۔**'' قرآن مجید کے ساتھ تمسک بعترت کا حکم دے کر حدیث کے استناد و اعتبار کا مکمل ثبوت ہے۔

بے شک حدیث اگر متواتر اور قطعی طریقہ سے مثل قرآن مجید کے پہنچے تو وہ قطعی طور پر واجب العمل ہے، اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، لیکن چونکہ احادیث مثل قرآن مجید کے تواتر کی حد تک پہنچ نہ سکے اور اکثر بطریق آحاد پہنچے جن میں اگر معنوی یا اجمالی حیثیت سے تواتر ہے بھی تو لفظی حیثیت سے نہیں ہے، اور اکثر ایسے ہیں کہ جن میں اس قسم کا تواتر بھی نہیں ہے، اس لئے کسی خاص حدیث پر عمل اس درجہ پر نہیں سمجھا جا سکتا جس درجہ پر قرآن مجید پر عمل، اور نہ کسی حدیث کی مخالفت اس طرح کفر سمجھی جا سکتی ہے جس طرح قرآن مجید کی مخالفت۔

حدیث کے مضمون کا انکار، اگر اس مضمون کو حدیث رسول اللہؐ تسلیم کرتے ہوئے ہو تو یقینا موجب کفر ہے۔ لیکن اگر کسی معتبر سے معتبر حدیث کو قول آں حضرت تسلیم ہی نہ کیا گیا ہو تو وہ انکار کتنا ہی غلط اور کمزور کیوں نہ ہو لیکن موجب کفر نہیں سمجھا جا سکتا۔ برخلاف قرآن مجید کے کہ اس کی کسی آیت کا انکار اس طرح کرنا بھی موجب کفر ہے کہ وہ قول خدا ہے اور میں تسلیم نہیں کرتا اور اس طرح بھی کہ وہ قول خدا نہیں ہے، لہٰذا میں تسلیم نہیں کرتا۔

بے شک دلالت یعنی معنی الفاظ کے تعین میں اختلاف، اس کا دروازہ دونوں میں کھلا ہوا ہے اور وہی بڑے سے بڑے خلاف قرآن وحدیث خیالات کو کفر کی زد سے علیحدہ کر دینے کا ذمہ دار ہے۔

بہر حال سند کے اعتبار سے قرآن وحدیث کے اس تفرقہ نے ان میں باعتبار احکام عظیم تفرقہ پیدا کر دیا ہے۔ ورنہ ''اطیعو االلّٰہ و اطیعوا الرّسول و اولی الامر منکم۔'' کی روشنی میں دیکھا جائے تو قرآن وحدیث ایک ہی صف میں نظر آتے ہیں اور ان میں سوا تقدم وتاخر کے کوئی تفرقہ نظر نہیں آتا۔

مسلمانوں نے بھی اسی حفظ مراتب کے لحاظ کے ساتھ قرآن وحدیث کے متعلق خدمت انجام دی ہے۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جیسا کہ مولانا عنایت اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے خود قرآن موجودہ حالت میں مدوّن نہ تھا تو حدیث کا کیا ذکر۔

حضرتؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت کا احساس کیا گیا، وہ قرآن مجید کی جمع وتالیف اور ترتیب وتدوین تھی، جس کو ذمہ دار اسلامی ہاتھوں نے ہر مقدم سے مقدم کام پر مقدم کیا، اور اس خدمت کو انجام دیا۔

قرآن کے بعد حدیث کا درجہ تھا۔ حدیث کی جمع وتالیف کے متعلق صحابۂ کرام میں باہم اختلاف رائے ہو گیا۔ اس اختلاف اور اس کے منشاء کو جناب مولانا عنایت اللہ صاحب کے الفاظ میں تحریر کرتا ہوا آگے بڑھتا ہوں۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''صحابہ مذہب میں بدعت سے اس قدر بچتے تھے کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں بدعت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ختنہ کی دعوت میں بلاوے کو حضرت ابوایوب انصاری نے فرمایا کہ حضور انورؐ کے زمانہ میں تو ایسی تقریبوں میں بلاوا نہیں ہوتا تھا۔ قرآن کی تدوین پر ایک گروہ صحابہ کو سخت اعتراض تھا۔ روایت حدیث پر سزا تک کی نوبت آئی، تدوین احادیث میں تو ایک یہی خرابی کا خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآن جو اس وقت تک موجودہ طور پر مکتوب نہیں تھا اور کلام حضرت رسالت پناہی مخلوط نہ ہو جائیں، علاوہ اس کے حضور انورؐ سے اس کی ممانعت بھی مروی ہوئی تھی جیسا کہ مسند امام احمد بن

حنبل میں ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ لوگ بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے کہ ناگاہ حضور انورؐ باہر تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ کیا کررہے ہو تو لوگوں نے عرض کیا کہ جو کچھ حضورؐ سے سنتے ہیں اس کو لکھتے ہیں۔ حضورؐ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور آخر کار یہ مکتوب ضایع کردیا گیا۔ حضرت ابوہریرہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشہور ہے کہ اکثارِ حدیث پر سزا دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی کو والی مقرر فرماتے تو منجملہ دوسرے نصائح کے یہ بھی اس کو نصیحت فرماتے کہ دیکھو جن لوگوں کے پاس جارہے ہو وہ قرآن پڑھنے میں مصروف ہیں اور شب وروز اپنا وقت تلاوتِ قرآن میں صرف کرتے ہیں، ان سے زیادہ حدیثیں بیان کرکے ان کے ذہنوں کو تشویش میں نہ ڈالنا۔ غرض کہ جب روایتِ حدیث کی یہ صورت ہو تو تدوین و کتابتِ حدیث کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا تھا کہ احادیث کو ایک جگہ جمع کردیا جائے۔ صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ تقریباً تمام اصحاب حضرت رسالتؐ نے اس کو پسند کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مہینہ بھر سوچتے رہے اس کے بعد آپ نے سب کو جمع کرکے فرمایا میرا ارادہ تھا جو تم کو معلوم ہے مگر مجھ کو یہ خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کتاب اللہ کو بالکل ترک کردو اور یہود ونصاریٰ کے مانند صرف احادیث پر اپنی توجہ مبذول کرو۔ یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوجائے کہ قرآن بھی توریت و انجیل کی طرح دلوں سے جاتا رہے اور تحریف کا شکار ہوجائے۔''

پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

''حضرت عمر ہی کے زمانہ میں جمعِ حدیث کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی اور تمام صحابہ اس کو جمع کردینے کی رائے ظاہر کرچکے تھے مگر قرآن کے ساتھ بے توجہی کے خوف نے اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مجبوراً باز رکھا تھا اور اس کے بعد ہم کو باوجود تلاش پھر کبھی صحابہ کا جمع کی جانب توجہ کرنا نظر نہیں پڑا۔ اگر کہیں احادیث کو بھی قرآن کی طرح خلفائے راشدین نے مدوّن کردیا ہوتا تو یقین کیجئے کہ بہت کچھ کیا بلکہ قرآن کی طرح وہ بھی دستِ تصرف سے محفوظ ہوجاتے اور باہمی مسلمانوں میں کثیر فرقہ بندیوں کی زائد تر روک تھام ہوجاتی۔ آج احادیث میں جو جو شبہات اور شکوک اسناد اور الفاظ کے اختلاف کی وجہ سے پیش آتے ہیں وہ ان کی تدوین وجمع کے بعد پیش نہیں آسکتے تھے۔''

برعکس اس کے جیسا کہ مولانا نے تحریر فرمایا ہے تمام صحابہ جن میں حضرت علیؑ بھی تھے، ان کو اس نظریہ سے اتفاق نہیں تھا۔

حضرت علیؑ کا مستقل کلام ہے کہ:۔

''**قیدوا العلم فی الکتابۃ۔**''

''علمی مطالب قلمبند کرو اور قیدِ تحریر میں لاؤ''۔

چنانچہ جہاں تک نظر دوڑائی جاتی ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلی تصنیف حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ملتی ہے جو آپ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے فرمائی تھی اس کا پتہ صحیح بخاری سے چلتا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب الفرائض ''**باب اثم من تبرّأ عن موالیہ**''

حدثنا قتیبة ابن سعید قال حدثنا جریر عن الاعمش حدثنا ابراھیم التیمی عن ابیه قال قال علی ما عندنا کتاب نقرأہ الا کتاب اللّٰہ غیر ھذہ الصحیفة قال فاخرجھا فاذا فیھا اشیأ من الجراحات واسنان الابل قال وفیھا المدینة حرام مابین عیر الی ثور فمن احدث فیھا حدثا او آوی محدثا فعلیه لعنة اللّٰہ والملٰئکة والنّاس اجمعین لا یقبل منه یوم القیمة صرف ولا عدل و ذمة المسلمین واحدة یسعیٰ بھا ادناھم فمن اخفر مسلماً فعلیه لعنة اللّٰہ والملائکة والنّاس اجمعین لا یقبل عنه یوم القیامة صرف ولا عدل۔

ابراہیم تیمی کی روایت ہے اپنے والد سے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے ہمارے پاس قرآن کے سوا کوئی کتاب نہیں ہے جسے ہم پڑھتے ہوں، سوا اس صحیفہ کے حضرت نے اس صحیفہ کو باہر نکالا تو دیکھا گیا کہ اس میں کچھ احکام مختلف قصاص اور اونٹوں کے متعلق ہیں اور اسی میں یہ حدیث ہے کہ مدینہ حرم ہے مقام

عیر سے لے کر مقام ثور تک۔ جو شخص وہاں بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر خدا، ملائکہ اور تمام خلق کی لعنت ہے۔ اس سے کوئی سفارش، کوئی معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا اور مسلمانوں کی ذمہ داری سب کی یکساں ہے جس کو معمولی سے معمولی شخص ان میں کا پورا کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان سے غداری کرے اس پر خدا، ملائکہ اور تمام خلق کی لعنت ہو۔ روز قیامت اس سے کوئی معاوضہ اور سفارش قبول نہ ہوگی۔"

صحیح مسلم جلد اول کتاب الحج باب فضل المدینہ میں بھی پانچ طریقوں سے اس کا تذکرہ موجود ہے۔ دوسری صدی ہجری تک اس کتاب کا وجود اہلبیتؑ کے پاس ثابت ہے جس کا پتہ محمد ابن الحسن الصفار کی بصائر الدرجات والی روایت سے چلتا ہے جو عبدالملک سے منقول ہے اس میں یہ ہے کہ:۔

دعا ابو جعفر بکتاب علی فجاء به جعفر مثل فخذ الرّجل مطویّا فاذا فیه ان النّساء لیس لهن من عقار الرجل اذا توفی عنهن شیئ فقال ابو جعفر هذا و اللّٰه خطّ علی بیده و املاء رسول اللّٰه الخ (وسائل الشیعہ)

امام محمد باقرؑ نے جناب امیرؑ کی کتاب منگوائی۔ امام جعفر صادقؑ اس کتاب کو لپٹا ہوا لائے۔ اس میں یہ تھا کہ عورتوں کو اپنے شوہر کی غیر منقولہ جائداد سے کچھ نہیں ملے گا۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ یہ خدا کی قسم جناب امیرؑ کے قلم کی تحریر ہے اور جناب رسالت مآبؐ کی لکھوائی ہوئی حدیثیں ہیں۔"

حضرت ابورافع جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بااختصاص غلام تھے۔ نجاشی نے فہرست اسماء مصنفینِ شیعہ میں لکھا ہے کہ:۔

لابی رافع مولی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و اله و سلم کتاب السّنن و الاحکام و القضایا۔

ابورافع کی تصنیف سے کتاب سنن واحکام قضایا تھی۔"

اس کے بعد انہوں نے اس کتاب کے ابواب کو ترتیب وار درج کیا ہے۔ صلوٰۃ، صیام، حج، زکوٰۃ اور سب کے آخر میں قضایا۔ ابورافع مکہ معظّمہ میں ہجرت کے قبل اسلام لائے تھے اور جب آنحضرتؐ نے مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو یہ مکہ میں رہ گئے تھے، جنگِ بدر کے بعد آ کر حضرت سے ملحق ہوئے اور سب سے پہلے جنگِ احد میں شرکت کی پھر ہر لڑائی میں حضرت کے ہمراہِ رکاب رہے۔

رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد باوفا غلام نے رسولؐ کی ڈیوڑھی چھوڑنا گوارا نہیں کی اور برابر اہلبیتؑ کی صحبت میں رہا۔ جناب امیرؑ کے مخصوصین میں شمار ہوئے اور عہدِ فتنہ کی تمام لڑائیوں میں آپ کے ہمراہ شرکت کی، کوفہ کے بیت المال کا خزانہ آپ کے متعلق ہوا اور اسی زمانہ میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

تاریخ کے لحاظ سے یہ سب سے پہلی کتاب تھی جس میں ابواب کی ترتیب کے ساتھ احادیث درج کئے گئے تھے۔ حضرت ابوعبداللہ سلمان فارسی اور حضرت ابوذر غفاریؓ بھی وہ بزرگ ہستیاں ہیں جنہوں نے حدیث کی تدوین میں حصہ لیا۔ ان دونوں بزرگوں کی تصنیف کا تذکرہ ابن شہرآشوب نے معالم العلماء میں اور شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی و شیخ ابوالعباس نجاشی نے اپنی اپنی کتاب فہرست مصنفین میں کتاب سلمانؓ اور کتاب ابوذرؓ کے نام سے درج کیا ہے اور یہ بھی قدیم اسلامی تصانیف ہیں جن کے قبل تصنیف کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کتابیں اسی طرح ناپید ہوگئی ہیں جس طرح وہ احادیث کا غیر مدوّن مجموعہ جو عبداللہ بن عمرو ابن العاص نے جمع کیا تھا اور جس کا تذکرہ مولانا عنایت اللہ صاحب اپنے مضمون میں فرما چکے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا طبقہ تابعین کا ہے جن میں سے ابورافع کے دونوں بیٹے علی بن ابی رافع اور عبیداللہ بن ابی رافع ہیں۔ یہ دونوں بزرگ جناب امیرؑ کے کاتب یعنی منشی دفتر اور اول الذکر خازن بیت المال بھی تھے۔

علی بن ابی رافع نے ایک کتاب لکھی جس میں وضو، صلوٰۃ اور تمام ابواب میں ترتیب کے ساتھ حضرت امیرؑ کے اسناد سے احادیث کو جمع کیا۔ یہ کتاب بھی سادات اہلبیتؑ کے پاس

دوسری صدی تک موجود تھی اور وہ اس کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھتے تھے۔ موسیٰ بن عبداللہ ابن حسن کا بیان ہے کہ ایک شخص نے میرے والد سے تشہد کے بارے میں سوال کیا انہوں نے کہا۔ ''لانا ذرا ابن ابی رافع کی کتاب'' جب وہ کتاب لائی گئی تو انہوں نے وہ مقام نکال کر سائل کو لکھوا دیا۔

اصبغ بن نباتہ مجاشعی، یہ بھی جناب امیرؑ کے مخصوصین میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت کا وہ طولانی عہد مالک اشترؒ کے نام جو نہج البلاغہ، حصہ کتب میں موجود ہے نقل کیا۔ نیز حضرت کی طولانی وصیت جو امام حسنؑ کے نام تھی وہ بھی انہیں کے ذریعہ سے ہم تک پہنچ سکی۔ سلیم بن قیس ہلالی ان کی بھی کتاب مشہور و معروف ہے۔ اس میں انہوں نے حضرت علیؑ، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، مقدادؓ، عمارؓ اور بہت سے صحابہ سے روایات نقل کئے ہیں۔ اس کتاب کو علماء نے بڑی قدر کی نظر سے دیکھا ہے۔

مشہور متکلم فقیہ شیخ محمد بن محمد بن نعمان معروف بہ شیخ مفید نے اپنی کتاب ''الغیبۃ'' میں سلیم بن قیس کی کتاب کی ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:۔

لیس بین جمیع الشیعۃ ممن حمل العلم ورواہ عن الائمۃ خلاف فی ان کتاب سلیم ابن قیس الھلالی اصل من کتب الاصول اللتی رواھا اھل العلم وحملۃ حدیث اھل البیت واقدمھا۔

تمام فرقہ شیعہ میں ان لوگوں میں کہ جنہوں نے علم ائمہ کا تحمل کیا ہے اس امر میں اختلاف نہیں کہ کتاب سلیم بن قیس ہلالی ایک معتبر کتاب ہے ان قدیم ترین کتابوں میں جن کو حاملان حدیث اہلبیتؑ نے روایت کیا ہے۔

ابن ندیم محمد ابن اسحاق نے ''کتاب الفہرست'' میں بھی اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔

میثم ابن یحییٰ ابوصالح تمار امیرالمومنینؑ کے خواص اصحاب میں سے تھے، ان کی بھی کتاب حدیث میں بڑی بلند پایہ تھی جس سے شیخ ابوجعفر طوسی اور ابوعمر وکشی اور طبری مصنف بشارۃ المصطفیٰ نے اکثر احادیث نقل کئے ہیں۔

میثم تمارؒ ۶۰ھ میں ابن زیاد کے حکم سے کوفہ میں قتل ہوئے۔

محمد بن قیس بجلی نے بھی ایک کتاب امیرالمومنینؑ سے مرویہ احادیث کی تحریر کی جو بقول شیخ ابوجعفر طوسیؒ امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے پیش ہوئی اور آپ نے فرمایا:۔

ھذا قول علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔

یہ بے شک حضرت علیؑ کے اقوال ہیں۔

اس کتاب کی ابتدا یہ تھی **کان یقول اذا صلی قال فی اول الصّلوٰۃ۔**

یعلی بن مرّہ اور عبیداللہ بن حر جعفی کی بھی کتابیں امیرالمومنینؑ سے روایات کی کتب رجال میں مذکور ہیں اور ربیعہ بن سمیع تابعین میں سے تھے ان کی کتاب ''زکوٰۃ الانعام'' کے متعلق تھی۔ ان کا نجاشی نے طبقہ اولیٰ کے مصنفین میں تذکرہ کیا ہے۔ حارث بن اعور ہمدانی بھی مشہور مصاحب جناب امیرؑ ہیں جنہوں نے ایک کتاب میں وہ سوالات جمع کئے ہیں جو کسی یہودی نے جناب امیرؑ سے کئے تھے اور حضرت نے ان کا جواب دیا تھا۔

یہ لوگ تمام وہ ہیں جو طبقہ متقدمین تابعین میں محسوب ہیں جن میں نہیں کہا جا سکتا کہ کس کی تصنیف کا زمانہ مقدم ہے اور کس کا مؤخر۔

اس زمانہ میں یہ وہ کتابیں ہیں جن کے علاوہ کوئی دوسرے مصنفات علم حدیث میں تمام عالم اسلامی کے اندر جستجو سے بھی دستیاب نہیں ہوتے۔

اس کے بعد کے طبقہ یعنی پہلی صدی کے اواخر میں تو تدوین حدیث کی ضرورت کا احساس عام طور سے ہو گیا تھا چنانچہ خلیفہ صالح بنی امیہ عمر بن عبدالعزیز نے حدود سلطنت میں جو کبار ائمہ موجود تھے ان کو لکھا کہ سنن حضرت رسالتؐ کو لکھ کر ایک جگہ جمع کر دو، جس کا تذکرہ مولانا عنایت اللہ صاحب نے فرمایا

ہے اور لکھا ہے کہ ”بقول حافظ ابن حجر عسقلانی یہ تدوین حدیث کی اول کوشش تھی جو عمر بن عبدالعزیز کے حصّہ میں آئی۔“

اس زمانہ میں اہلبیتؑ میں سے امام محمد باقر علیہ السلام کا دریائے علم موجیں مار رہا تھا۔ آپ کی علمی موشگافیاں وہ تھیں کہ تمام عالمِ اسلامی نے متفق طور سے ”باقر العلم“ تسلیم کیا۔

علامہ نودی تحریر کرتے ہیں:۔

”المعروف بالباقر لانه بقر العلم ای شقه و فتحه فعرف اصله و تمکن فیه۔“

آپ کے اصحاب میں بڑے بڑے حافظانِ حدیث تھے جیسے جابر ابن یزید جعفی جن کے متعلق صحیح مسلم (۱) میں ہے کہ وہ پچاس ہزار حدیثوں کی روایت کرتے تھے جو سب امام محمد باقر علیہ السلام کے طریق سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتہی ہوتی تھیں۔

(۱) مطبوعہ نول کشور، جلد (۱) ص، ۱۵۔

اور ابان بن تغلب جنہوں نے امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ تین بزرگواروں کے عصر کا ادراک کیا اور خاص امام جعفر صادقؑ سے تیس ہزار حدیثوں کی روایت کی۔

صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں ان کی روایت سے احتجاج کیا ہے اور شیخ الاسلام حافظ ذہبی نے **میزان الاعتدال** میں ان کی وثاقت و اعتبار کی گواہی دے کر ان کے تشیع کے متعلق یہ کہہ کر معذرت کی ہے کہ **”ان التشیع فی التابعین و تابعیهم کثیر مع الدّین و الورع و الصّدق فلو رد حدیث هو لآء لذهب جملة من الاثار النبویة۔“**

تشیع تابعین اور تبعِ تابعین میں بہت کثرت سے پایا جاتا ہے ایسے افراد میں جو امانت اور دیانت اور ورع رکھتے ہیں۔ اگر ان کی حدیثوں کو رد کر دیا جائے تو بہت سے آثار رسالتمآبؐ کے فنا ہو جائیں گے۔

ابان کی ایک کتاب بھی حدیث میں تھی جو معتبر اصول حدیث سے تسلیم کی جاتی تھی۔ اسی طرح ابو حمزہ ثمالی ثابت بن دینار، ان کی **کتاب النوادر، کتاب الزهد**، رسالہ حقوق میں بہت سے احادیث کا ذخیرہ تھا، حافظ ترمذی کی کتاب صحیح میں ان سے روایت موجود ہے۔ علماء رجال نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے۔

زرارہ ابن اعین کے متعلق تو ثابت ہے کہ ان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ جب وہ امام جعفر صادقؑ کے پاس آتے تھے، قلم اور دوات اور کتاب اپنے ساتھ لاتے تھے اور جو کوئی مسئلہ پیش آتا اور امامؑ اس کے متعلق حکم رسالت مآبؐ بیان فرماتے، اس کو وہ لکھ لیتے تھے۔ کبھی خود سوال کرتے تھے اور اس کا جواب حاصل کرتے تھے اور اس طرح بڑا ذخیرہ قلمبند صورت میں احادیث کا جمع کر لیا۔

زرارہ، محمد بن مسلم، برید عجلی یہی ایسے لوگ ہیں جن کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:۔

”لو لا هو لآء لذهبت احادیث ابی“۔

اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو میرے والد بزرگوار کے فرمودہ احادیث تلف ہو گئے ہوتے۔

برید عجلی کی بھی ایک کتاب حدیث میں تھی جسے اُن سے رواۃ و محدثین نے نقل کیا، امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں اہلبیتؑ کے فیوض علمیہ سے بہرہ مند ہونے والے بڑی کثرت سے ہو گئے تھے۔

شیخ ابو علی طبرسی نے **اعلام الوری** میں لکھا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے امام جعفر بن محمد صادقؑ سے بلا واسطہ نقلِ احادیث کیا چار ہزار آدمی تھے۔ حافظ ابن عقدہ جو فریقین کے کتب رجال میں بڑی مدح و ثنا کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں انہوں نے ایک مستقل کتاب لکھی **”کتاب الرجال الذین رووا عن الصّادق“** اور شیخ طوسیؒ نے اکثر کا ان میں سے اپنی کتاب رجال میں تذکرہ کیا ہے۔

وہ کتابیں جو اس وقت سے لے کر امام حسن عسکریؑ کے عہد تک یعنی ایک صدی کے اندر علم حدیث میں تصنیف ہوئیں، چھ ہزار چھ سو کتابیں تھیں جس کی شیخ حر عاملی نے **خاتمۂ وسائل الشیعه** کے فائدہ رابعہ میں تصریح کی ہے۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ علم حدیث ہر زمانہ میں ایسے لوگوں کی مصیبت میں گرفتار رہا جو غلط واقعات بناتے اور بے اصل حدیثیں

تراش کرکسی بڑی ہستی کی طرف منسوب کردیا کرتے تھے۔

جب حضرت رسول اکرمؐ کوفرمانا پڑا:۔

’’ستکثر بعدی القالة فمن کذب علیّ متعمداً فلیتبوّ امقعدہ من النّار‘‘

میرے بعد غلط روایت کرنے والوں کی کثرت ہوگی تو جو شخص میری طرف کوئی غلط حدیث منسوب کرے گا اسے اپنی جگہ جہنم میں بنانا چاہیئے۔

تو دوسرے اماموں کا کیا تذکرہ۔

ائمہ اہلبیتؑ اور ان سے روایت کرنے والے دیانتدار محدثین کو بھی ان مقتولین یعنی احادیث کی ساخت وساز کرنے والوں سے بڑی شکایت تھی اور ائمہ اس کے متعلق اپنے اصحاب کو متنبہ کردیتے تھے۔

مشکل یہ تھی کہ شیعیت کے نام لیوا افراد میں بعض غالی اور اماموں کے متعلق غلط عقیدہ رکھنے والے اشخاص پیدا ہوجاتے تھے جن سے ائمہ اور ان کے شیعہ خود برأت کرتے تھے، لیکن وہ شیعیت کے نام کو پردہ قرار دے کر غلط احادیث کی نشر واشاعت کرتے تھے۔

مغیرہ بن سعید ایک شخص تھا جس کے متعلق امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:۔

’’المغیرۃ بن سعید رسّ فی کتب اصحاب ابی احادیث لم یحدّث بھا ابی فاتوا اللّٰہ ولا تقبلوا علینا ما خالف قول ربنا و سنة نبینا‘‘۔

مغیرہ بن سعید نے میرے والد بزرگوار کے اصحاب کی کتابوں میں کچھ حدیثیں خفیہ طور سے بڑھادی ہیں جو میرے والد نے بیان نہیں کی تھیں پس خدا سے ڈرو اور ہماری نسبت قبول نہ کرو ایسی حدیثیں جو قولِ خدا اور سنّتِ رسولؐ کے خلاف ہوں۔

اسی طرح ابوالخطاب ایک شخص تھا غلاۃ میں سے، جس پر امامؑ نے نفرین بھی فرمائی تھی۔ اس نے طرح طرح کی غلط باتیں ایجاد کیں۔

اس صورتِ حال کے تدارک کی طرف خود ائمہ معصومینؑ اور ان کے اصحاب مرضیین پورے طور سے متوجہ ہوگئے۔ ائمہ نے احادیث کے معیار بتانا شروع کئے۔ اختلاف احادیث کی صورت میں مرجحات بتلائے اور صحیح وغیر صحیح میں تمیز کا طریقہ بتلایا۔ اصحاب نے یہ اہتمام شروع کیا کہ زیادہ تر امام سے خود جا کر احادیث سننے لگے، جتنی مصنفہ قلمی کتابیں حدیث کی تھیں ان کو جہاں تک موقع ملتا امام کو دکھلاتے اور ان سے تصدیق لیتے کہ اس میں سب روایتیں درست ہیں۔ جیسے عبیداللہ بن علی حلبی کی کتاب جو امام جعفر صادقؑ کے سامنے پیش ہوئی اور یونس بن عبدالرحمن اور فضل بن شاذان کی کتابیں جو امام حسن عسکری علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئیں یا شروع دَور کی وہ کتابیں جو خوفِ معاندین سے راویوں نے زمین کے اندر چھپادی تھیں بعد والے اصحاب نے امامؑ کے سامنے پیش کرکے ان کی تصدیق لی اور آپ نے فرمایا ’’حدثوا بھا فانھا حق‘‘ ان کے احادیث کی روایت کرو یہ سب درست ہیں۔‘‘

اس چھان بین کے بعد قدماء محدثین نے ان تمام کتابوں میں سے جو تصنیف ہوئی تھیں چار سو کتابیں چار سو رواۃ کی منتخب کرلیں جن کو اپنے علم وعمل کا دارومدار قرار دیا وہ کتابیں ’’اصولِ اربعمائۃ‘‘ کے نام سے مشہور تھیں جو بعد کے زمانہ میں بڑے جوامع حدیث کی تصنیف کا سرمایہ قرار پائیں۔

ان کتابوں میں سے جن کا صدر اول سے لے کر اس وقت تک تذکرہ ہوا موجودہ زمانہ میں صرف کتاب سلیم ابن قیس ہلالی اور بعض ’’اصول اربعمائۃ‘‘ کا وجود باقی ہے جن کو محدث میرزا حسین نوری مصنّف مستدرک الوسائل نے بڑے قدیم نسخوں سے نقل کرکے حاصل کیا تھا اور اپنی کتاب مستدرک کا ماخذ بنایا۔ ان سے پھر آیۃ اللہ آقا سید حسن صدر کاظمینی دام ظلۂ مقیم کاظمین اور آقا میرزا محمد طہرانی مقیم سامرہ نے ان کی نقل حاصل کی اور ان میں سے بعض کی ہم نے بھی نجف اشرف میں نقل حاصل کرلی۔

ائمہؑ کا دور گزر گیا۔ غیبتِ امام کا زمانہ آیا۔ اب دشواریاں زیادہ پیدا ہوگئی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی کتابیں جو سیکڑوں کی تعداد میں تھیں ان

سب میں اگرچہ احادیث کا تمام ذخیرہ موجود تھا لیکن کثرتِ کتب کا لازمی نتیجہ انتشار ہے اور اس سے ضیاع وتلف کا اندیشہ یقینی۔

اسی وجہ سے ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ تمام متفرق کتابیں ایک یا چند بڑی کتابوں میں مجتمع ہوجائیں۔ سب سے پہلے ثقۃ الاسلام ابوجعفر محمد ابن یعقوب کلینیؒ تھے جنھوں نے چوتھی صدی کے اوائل میں اس خدمت کو انجام دیا اور بیس برس کی مسلسل جفاکشی اور محنت میں کتاب کافی کی تصنیف کی۔ دیباچۂ کتاب میں سببِ تالیف تحریر فرماتے ہوئے صاف ظاہر کیا ہے کہ اس کتاب میں صحیح اخبار جمع کئے جائیں گے جو تمام علوم و معارف دینیہ کو شامل اور ہر حیثیت سے کافی ہوں۔ کتاب کافی کا نام بھی انہیں الفاظ کی بناء پر ''کافی'' قرار پایا ہے اور چونکہ اس میں اصول وعقائد کے احادیث کا ایک حصّہ مستقل اور فروع یعنی مسائلِ شرعیہ کا حصہ مستقل تھا اس لئے پہلا حصّہ 'اصولِ کافی' اور دوسرا حصہ 'فروع کافی' کے نام سے مشہور ہوگیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام شیعی جوامع حدیث میں کافی کا درجہ سب سے مقدم مانا گیا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کی ہر ہر حدیث صحیح السند اور قطعی الورود ہے۔ ہم حدیث کی کسی کتاب کو قرآن مجید کی طرح معصوم اور جرح وتعدیل کے میزانِ اعتبار سے بلند نہیں سمجھتے۔ کافی کا تقدم وشرف صرف اس اعتبار سے ہے کہ اس میں نقل روایات میں بہت ضبط و ایقان سے کام لیا گیا ہے، سندیں پوری نقل کی گئی ہیں، روایات کے ٹکڑے نہیں کردیئے گئے ہیں۔ روایات میں ایسے تفسیری نوٹ نہیں دیئے ہیں جو اصل الفاظ حدیث کے ساتھ مشتبہ ہوجائیں۔ پوری سندیں نقل کردینے کا منشاء ہی یہ ہے کہ مصنّف نے اپنے اوپر سے ذمہ داری ہٹالی ہے اور ان رواۃ کے حالات واوصاف کو جانچ لینے کا موقع دیا ہے۔

یہ خیال کہ یہ کتاب امام عصر حضرت امام ثانی عشرؑ کے پاس پیش ہوئی اور حضرت نے فرمایا کاف لشیعتنا ایک ایسی غلط حکایت ہے جس کا کوئی ثبوت کتبِ احادیث و رجال میں نہیں ہے۔ چنانچہ محدث نوری نے کتاب کافی کے استناد واعتبار کو انتہا درجہ تک پہنچاتے ہوئے تحریر کیا ہے:۔

لیس غرضی من ذلک تصحیح الخبر الشائع من ان ھذا الکتاب عرض علی الحجة علیه السلام فقال ان ھذا کاف لشیعتنا فانه لا اصل له ولا اثر فی مؤلّفات اصحابنا بل صرّح بعدمه المحدث الاستر آبادی الذی رام ان یجعل تمام احادیثه قطعیة لما عنده من القرائن اللتی لاتنهض لذلک ومع ذلک صرّح بانّه لا اصل له۔

میرا مقصد اس سے یہ نہیں ہے کہ میں اس روایت کی صحت ثابت کروں جو عام طور سے مشہور ہے کہ یہ کتاب حضرت حجتؑ کی خدمت میں پیش ہوئی اور حضرت نے فرمایا کہ ''یہ کافی ہے ہمارے شیعوں کے لئے'' کیونکہ یہ روایت بالکل بے اصل ہے اور اس کا نام ونشان بھی ہمارے کتبِ امامیہ میں نہیں ہے بلکہ محدث استر آبادی نے بھی کہ جو کافی کی تمام احادیث کو بعض غیر مستند قرائن کی بناء پر قطعی ثابت کرنے میں کوشاں ہیں اس روایت کے متعلق لکھ دیا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اس بناء پر ہم کافی کی حدیث بھی آنکھ بند کرکے قبول نہیں کرلیتے ہیں بلکہ استنباط واجتہاد کے موقع پر کافی کی حدیث کی اسی طرح جانچ کرتے ہیں جس طرح دوسرے کتبِ حدیث کی۔

ان کا دیباچہ میں یہ لکھ دینا کہ میں اخبارِ صحیح جمع کروں گا اس کے معنی صرف اتنے ہوتے ہیں کہ انہوں نے جو روایات درج کئے ہیں وہ ان کی نظر میں معتبر اور قابلِ اطمینان تھے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمارے لئے بھی یہی درجہ رکھتے ہوں اس لئے کہ ہم سوا معصومؑ کے کسی کی رائے کو اپنے لئے بالکل حجت اور ناقابلِ شک وشبہ نہیں سمجھتے ہیں۔ بے شک کافی کی حدیث میں ہم کو اضطرابِ سند ومتن وغیرہ کی دشواریوں سے دوچار ہونا نہیں پڑتا اس لئے کہ اس میں نقل احادیث کے سلسلے میں انتہائی ضبط سے کام لیا گیا ہے اور یہی خصوصیت وہ ہے جس نے اس کو دوسرے تمام جوامعِ حدیث میں ممتاز درجہ عطا کردیا ہے۔

دوسرے بزرگ جنھوں نے اس خدمت کو انجام دیا شیخ صدوق محمد ابن علی ابن بابویہ قمی تھے جنھوں نے کتاب ''من لا یحضرہ الفقیہ'' تالیف کی۔ اس میں انہوں نے دیباچہ میں ضرور تحریر کیا ہے کہ میں اس میں وہی روایات درج کروں گا جن کے مطابق میں فتویٰ دیتا ہوں اور اپنے اور خدا کے درمیان ان کو حجت سمجھتا ہوں لیکن جہاں تک دیکھا گیا ہے وہ پورے طور سے اس پر قائم نہیں رہے ہیں۔ انہوں نے ایسی روایتیں بھی درج کردی ہیں جن کی انہیں خود رد کرنا پڑی ہے۔ انہوں نے پوری سندیں بھی نقل نہیں کیں بلکہ صرف آخری راوی کا نام لکھ دیتے ہیں جس نے امام سے روایت کی ہے، پھر ختم کتاب کے بعد انہوں نے ایک فہرست اپنے مشائخ کی لکھی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کس راوی کی طرف ان کا طریق کیا ہے، اس لئے انسان کو کتاب من لا یحضرہ الفقیہ کے ساتھ اس فہرست مشیخہ من لا یحضر پر نظر رکھنا ضروری ہے اور ہر روایت کی جانچ کے موقع پر اس پر نظر ڈالنا لازمی۔

یہ ایک بڑی سر مغزنی کا کام ہے جس سے دشواری پیدا ہوگئی ہے نیز اس میں روایات کے بیان کے سلسلے میں کہیں کہیں تفسیری شرح ایسی آگئی ہے جس کے متعلق دھوکا ہو جاتا ہے کہ کہیں یہ امامؑ کا کلام تو نہیں ہے۔

ان وجوہ کی بناء پر یہ کتاب موخر ہونے کے باوجود استناد و اعتبار اور حسنِ ترتیب و تالیف میں کافی کی ہم پلہ تسلیم نہیں کی گئی۔

پانچویں صدی ہجری میں شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسیؒ نے کتاب تہذیب اور کتاب استبصار تصنیف کی۔ تہذیب کی ترتیب اور اس کا طرزِ تدوین واقعی بہت اچھا ہے مگر سند اتنی ضبط کے ساتھ اس میں بھی نہیں ہے جس طرح کافی میں ہے۔ اس میں کہیں تو کافی کی طرح پوری سند نقل کی ہے اور کہیں من لا یحضرہ الفقیہ کی تقلید کی گئی ہے اور پھر مشیخہ کی فہرست بھی جو آخر میں دی گئی ہے مکمل نہیں ہے اس لئے اکثر انسان کو تعیین سند میں غور و خوض اور قرائن و ظنون سے کام لینا پڑتا ہے۔

علماء کا خیال ہے کہ انسان کے لئے کافی اور تہذیب دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ ایک کی ضرورت دوسرے سے پوری نہیں ہوتی۔ کافی میں حدیثیں فقہ اور غیر فقہ دونوں شعبوں کے متعلق ہیں لہٰذا وہ تہذیب سے زیادہ جامع ہے اور تہذیب میں فقہ کی حدیثیں کافی سے زیادہ ہیں اس لئے یہ زیادہ جامع ہے۔

استبصار درحقیقت صرف کتاب جامع احادیث ہی نہیں بلکہ اس میں متعارض حدیثیں درج کر کے ان میں جمع، ترجیح یا تاویل کے فرائض انجام دیئے گئے ہیں جو خالص ایک فقیہ اور مجتہد کا فرض ہے۔

یہی چاروں کتابیں وہ ہیں جو کتبِ اربعہ کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔ کافی کی حدیثوں کی تعداد سولہ ہزار ننانوے (۱۶۰۹۹) اور من لا یحضر کی حدیثیں نو ہزار چوالیس (۹۰۴۴) اور تہذیب تین سو ترانوے ۳۹۳ بابوں پر مشتمل ہے جس میں تیرہ ہزار پانچ سو نوے (۱۳۵۹۰) حدیثیں اور استبصار میں نو سو بیس ۹۲۰ باب ہیں جن میں پانچ ہزار پانچ سو گیارہ (۵۵۱۱) حدیثیں ہیں۔

الاسماء تنزل من السّمآئ یہ عجیب بات ہے کہ ان تمام مصنفین جوامع کا نام محمد اور کنیت ابوجعفر تھی۔

مصنف کافی ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینیؒ۔ مصنف من لا یحضر ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ قمی۔ مصنف تہذیب و استبصار ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی تھے۔ اسی وجہ سے علماء اجازات جب ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو فرماتے ہیں الکتب الاربعة لابی جعفرین المحمدین الثلثة المتقدمین اور اس حسنِ اتفاق میں اضافہ یہ ہے کہ متاخرین میں سے بھی وہ حضرات جنھوں نے مشہور جوامع حدیث کی تصنیف کی ان کا بھی نام محمد تھا جن کا تذکرہ ابھی آئے گا۔

شیخ صدوق کے علاوہ من لا یحضر کے ۳۹۹ اور تصانیف خاص علم حدیث میں تھے جن میں سے ثواب الاعمال، عقاب الاعمال، مدینة العلم وغیرہ وغیرہ مشہور کتابیں ہیں جو متاخرین

علماء کا مستند رہی ہیں لیکن کوئی بھی ان میں سے وسعت وجامعیت کے اعتبار سے من لا یحضر کے درجہ تک نہ تھی۔

جس قدر رسالت مآبؐ اور ائمہؑ کا دور قریب تھا تحقیق کے ذرائع زیادہ اور وثوق واطمینان کے اسباب فراواں تھے۔ سابق زمانہ کے لوگوں کے لئے اکثر احادیث ایسے قرائن کے ساتھ مقرون ہوتے تھے جن کی وجہ سے اگر چہ راوی خبر کے ضعیف ہوں لیکن انہیں اصل خبر کے متعلق وثوق واطمینان ہوتا تھا اور اس اعتبار سے وہ اس کو صحیح کہتے تھے۔ اکثر اخبار ان کے لئے قطعی یا موثوق بالصدور تھے جس میں ان کو راویوں کی طرف نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی۔ بہت پہلے کے قدماء کا کیا ذکر سید مرتضیٰ علم الہدیٰ تک جو چوتھی صدی کے اواخر میں تھے اخبار آحاد پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور فرماتے ہیں کہ متواتر حدیثیں اتنی موجود ہیں جو تمام مسائل شرعیہ میں کافی ہوسکتی ہیں اور ان کے بعد آحاد پر عمل کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسیؒ جو ان کے شاگرد تھے متواتر ہونے کے تو قائل نہیں مگر اتنا ضرور فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں جو مشہور ومستند کتابوں میں موجود ہیں ان کے متعلق قرائن کے ذریعہ سے ہمیں صحت کا علم قطعی ہے۔ ان حضرات کی دیکھا دیکھی ابن ادریس حلی تک جو ساتویں صدی ہجری میں تھے، کہنے لگے کہ متواتر ہی پر عمل ہونا چاہیے، آحاد کی ضرورت نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمانہ کے امتداد کے ساتھ جتنا جتنا عصرِ معصوم کو بُعد ہوتا جاتا ہے دشواریاں زیادہ پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ اس لئے جو چیزیں قدماء کے لئے مقطوع تھیں وہ متأخرین کے لئے مظنون اور جو ان کے لئے مظنون تھیں وہ ان کے لئے موہوم بن گئیں۔

صدیوں کے حائل ہوجانے سے خارجی قرائن یک لخت غائب ہوگئے اور وہ وثوق بالصدور یا اطمینان جو قرائن کی بناء پر سابق کے لوگوں کو تھا رخصت ہوا۔ اب تو ہم ہیں اور سند اور اس کے رواۃ کا استناد واعتبار۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ساتویں صدی ہجری میں صحیح، حسن، موثق، ضعیف کی اصطلاح قرار دی گئی اور رواۃ کی جرح وتعدیل کی بنیاد پڑی۔ اکثر علماء کی تحریر کے مطابق اس اصطلاح کی بنیاد علامہ حلّی کی ڈالی ہوئی ہے۔ محدث استرآبادی نے فوائد مدینہ میں اسے مشکوک صورت سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں علامہؒ حلّی یا کوئی ان کا ہم عصر۔

ہمارے شیخ الحدیث خاتمۃ المحدثین مولانا سید حسن صدر نے تحریر فرمایا ہے کہ اس تقسیم کے موجد سید جمال الدین احمد بن طاؤس ہیں جنہوں نے ۶۷۳ھ میں وفات پائی۔

اب روایات کی جانچ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ شیخ حسن ابن زین الدین شہید ثانیؒ مصنّف معالم نے کتاب **منتقی الجمان فی الاحادیث الصحاح والحسان** تحریر کی۔ افسوس کہ یہ کتاب عام طور سے دستیاب نہیں ہوتی اور ابھی تک ہماری نظر سے نہیں گزری۔ اب متأخرین کا دور آگیا تھا۔ گیارھویں صدی میں محمد ابن مرتضیٰ مشہور بہ ملّا محسن فیض کاشانی نے **جمع بین الصحاح** کے طور پر کافی، فقیہ، تہذیب، استبصار، چاروں کتابوں کے احادیث کا مجموعہ وافی کے نام سے تحریر کیا جس میں مشکل احادیث کا بیان یعنی حل بھی اپنے مخصوص مسلک اور مذاق کے مطابق تحریر کیا ہے۔ موصوف کا مسلک اصولِ عقائد میں تصوف و عرفان کی طرف مائل اور فقہ میں اخباریت کی طرف راجع تھا۔

مجدد مذہب شیعہ ملا محمد باقر مجلسیؒ نے انتہائی کدوکاوش اور وسعتِ نظر وتتبع کے ساتھ کتاب "**بحار الانوار**" ۲۶ جلدوں میں جمع کی جس میں کتبِ اربعہ کے علاوہ سیکڑوں کتابوں سے ہر شعبہ کے متعلق احادیث کو جمع کیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ وسعت و جامعیت کے اعتبار سے بڑا کام کیا اور ایک متجسس شخص کو تمام روایات کسی مبحث کے ایک ہی مقام پر دستیاب ہوجاتے ہیں لیکن یہ ماننا ناگزیر ہے کہ موصوف نے نقل احادیث میں احتیاط سے کام نہیں لیا ہے اور اس لئے بحار میں غثّ وسمین سب کچھ نظر آتا ہے اور مراسیل کی بھرمار ہے۔ یہی وہ چیز تھی جس کے لئے قدماء اصحاب نے **اصول اربعمائۃ** کا انتخاب اور محمدین قدماء نے کتب اربعہ کی تدوین کی تھی تاکہ غیر مستند روایات کا ذخیرہ ہمارے

احادیث میں مخلوط نہ ہونے پائے۔ اس جامعیت کتاب کی فکر نے اس مقصد کو نظر انداز کر کے نقد و بحث کی گنجائش پیدا کر دی۔

اسی زمانہ میں شیخ محمد بن الحسن الحر العاملی نے صرف فقہ کے متعلق احادیث کو علاوہ کتب اربعہ کے دوسرے اصول اور کتب سے تلاش کر کے انتہائی جستجو کے ساتھ کتاب ''وسائل الشیعہ'' تصنیف کی جو بے شک بہترین جامعِ احادیث کتاب ہے۔ اس کتاب نے ایک فقیہ متجسس احادیث کو کتبِ اربعہ اوران تمام کتابوں سے جو اس سلسلہ میں قابلِ توجہ تھیں مستغنی کر دیا اور پھر لطف یہ کہ سند پوری درج کر دی گئی ہے اور مکمل حوالہ منقول عنہ کا موجود ہے لیکن ''بے عیب ذات خدا کی'' اس میں ایک ایسی بات ہوگئی جس سے احتیاج اصل ماخذوں کے دیکھنے کی پھر بھی باقی رہی۔ وہ یہ ہے کہ موصوف نے احادیث کو مناسب ابواب میں درج کرنے کے لئے تقطیع اختیار کر دی، یعنی اگر کوئی حدیث ایسی ہے جس میں ابتدائی حصہ کتاب النکاح سے متعلق ہے، وسطی کتاب الطلاق سے، آخری مثلاً کتاب الظہار سے تو وہ اس روایت میں تین ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ پہلا ٹکڑا پہلی کتاب میں، دوسرا دوسری کتاب میں اور تیسرا تیسری کتاب میں۔ اس میں ظاہر میں کوئی نقصان تو نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقۃً جسے حدیث کے معنی سمجھنا اور اس سے کوئی نتیجہ نکالنا ہوتا ہے وہ اس کی خرابی کو محسوس کرتا ہے۔ اس کا ایک اثر تو سند پر پڑا کہ کہیں روایت میں اضمار پیدا ہو جاتا ہے۔

مضمرہ اس روایت کو کہتے ہیں جس میں امامؑ کا نام نہ ہو جن سے حدیث منقول ہے بلکہ عنہ کی لفظ ہو۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ حدیث طولانی تھی۔ شروع میں امامؑ کا نام موجود تھا لیکن درمیان میں پھر ضمیریں مذکور تھیں۔ تقطیع ہوئی تو پہلا ٹکڑا جہاں گیا وہاں تو نام موجود ہے لیکن بعد کے ٹکڑے جہاں جہاں گئے وہاں اضمار پیدا ہو گیا۔

اس کے علاوہ یہ کہ اکثر مطالب اجزائے حدیث کے آپس میں دست و گریبان ہوتے ہیں۔ وہ ٹکڑے جو مصنّف وسائل نے باہم غیر متعلق خیال کئے ہیں یہ ضروری نہیں کہ غیر متعلق ہی ہوں۔ وہ عالمِ متبحر سہی لیکن معصوم نہیں تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر معنی میں خرابی پڑتی ہے اور خلط مبحث ہو جاتا ہے۔

بہت بڑی خدمت ہوتی اگر کوئی شخص وسائل کی حدیثوں کا اصل کتب منقول عنہا سے مقابلہ کر کے مواضع تقطیع کو معین کر دیتا اور متفرق حدیثوں کے ٹکڑوں کا پتہ لگا کر یکجا کر دیتا تو پھر یہ کتاب وسائل ایک ایسا ذخیرۂ حدیث تھا جس کی موجودگی میں کسی دوسری کتابِ حدیث کی ضرورت نہیں ہے۔ وسائل میں تمام ابوابِ فقہ کے متعلق ایسا ذخیرہ جمع کر دیا ہے کہ ہمیں جستجو کے بعد بھی اس سے زیادہ دستیاب نہیں ہوتا۔ اگر چہ اس چودھویں صدی کے اوائل میں مشہور محدّث میرزا حسین نوریؒ نے مستدرک الوسائل کے نام سے تین ضخیم جلدوں میں ایک مجموعہ احادیث تصنیف فرمایا جو ان کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جا سکتا ہے لیکن فائدہ کے اعتبار سے اسے کوئی خاص اہمیت دیئے جانے کا استحقاق نہیں حاصل ہوا، اس لئے کہ ایک تو جن کتابوں سے فاضل نوری نے اس کتاب کی تدوین کی وہ استناد و اعتبار میں کسی طرح صاحب وسائل کی منقول عنہا کتابوں کے مقابل نہیں ہیں۔ ان میں سے اکثر کتابوں کے متعلق علماء کی طرف سے قدح موجود ہے اور ان کے رواۃ بھی مجروح ہو چکے ہیں اور محدث نوری کو ان کے استناد پر بحث کے سلسلہ میں صفحے کے صفحے سیاہ کرنا پڑے ہیں۔ بعد کو چاہے ان کی تعدیل ثابت ہو لیکن یقیناً اس اختلاف و بحث سے ان کتب کی متفق علیہ حیثیت باقی نہیں رہتی اور یہ ان کی ایک حد تک کمزوری کی دلیل ضرور ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس مستدرک میں جو کچھ ہوا ہے وہ صرف اتنا کہ کسی خاص مسئلہ کے متعلق صاحب وسائل نے دو حدیثیں مثلاً نقل کی تھیں، صاحبِ مستدرک نے دو اور نقل کر دیں لیکن نفسِ مسائل اور فروعِ فقیہہ کے متعلق وہ کچھ اضافہ کر سکے ہوں یعنی کچھ ایسے احادیث نقل کر سکے ہوں جن کے مندرجہ مضامین و احکام وسائل کی مندرجہ احادیث کے احکام سے کچھ زائد ہوں، ایسا نہیں ہے۔

اس لئے مستدرک اپنے مصنف کے تتبع اور وسعت

اطلاع کی دلیل بن سکتی ہے اور اس کے مصنّف کی جفاکشی ومحنت کی داد بھی دی جاسکتی ہے، لیکن کسی مجتہد کو استنباط کے وقت وسائل کے دیکھنے کے بعد مستدرک کو نکال کر مطالعہ کرنے کی ضرورت پڑے، ایسا نہیں ہے۔

یہ جوامع حدیث وہ ہیں جن کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے علاوہ بھی اس آخری چندصدی کے دور میں بعض کتابیں تالیف ہوئی ہیں جن کا پتہ جناب سید حسن صدر دام ظلہٗ کی کتاب ''الشیعہ وفنون الاسلام'' میں موجود ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور کتاب **عوالم** ہے جو علامہ مجلسیؒ کے ہمعصر ملاعبداللہ بن نوراللہ بحرانی کی تالیف تھی، اس کا صرف وہ حصہ جو واقعاتِ کربلا سے تعلق رکھتا ہے۔ ''مقتلِ عوالم'' کے نام سے شایع وذایع ہے لیکن حقیقت میں یہ کتاب سو ۱۰۰ رجلدوں پر مشتمل تھی جن کا مجھے تو پتہ نہیں معلوم کہ کہاں ہیں۔ شیخ قاسم بن محمد بن جواد معروف بابن دندی وفقیہ کاظمی جو صاحبِ وسائل کے ہمعصر تھے۔ انہوں نے **شرح الاستبصار فی احادیث الائمۃ الاطہار** تصنیف کی جو متعدد مجلدات پر مشتمل تھی اور اسی طرح شیخ عبداللطیف ابن علی بن احمد بن ابی جامع حارثی عاملی کی کتاب **جامع الاخبار فی ایضاح الاستبصار** متعدد جلدوں میں اور شیخ محمد رضا ابن شیخ عبداللطیف تبریزی کی کتاب ''شفافی حدیث آل المصطفیٰ'' اور سید عبداللہ ابن سید محمد رضا شبر کاظمی کی **کتاب جامع الاحکام** جو ۲۵ جلدوں میں ہے اور علامہ مجلسیؒ کی **بحار** کے بعد جس سے زیادہ مبسوط تصنیف تحریر نہیں ہوئی ہے۔ **کتاب کافی** کی شرحیں بہت سے علماء نے لکھیں جن میں سے ملا صالح مازندرانی اور میرزا خلیل قزوینی کی دونوں شرحیں اور علامہ مجلسی کی **مراۃالعقول** خاص شہرت کی مالک ہیں۔ صدرالمتالہین شیرازی نے بھی ایک شرح کافی کی لکھی تھی مگر وہ ان کے خالص فلسفیانہ مذاق پر تھی جس کو علم حدیث کی بارگاہ میں کوئی قبولیت حاصل نہ ہوسکی۔ **من لا یحضرہ الفقیہ** کی شرح ملا محمد تقی مجلسی نے لکھی جسے کوئی خاص علمی اہمیت حاصل نہیں ہے **تھذیب** کی شرح سید نعمت اللہ جزائری نے لکھی جو مبسوط اور کثیر الفوائد ہے۔

موجودہ زمانہ میں آیۃ اللہ سید حسن صدر دام ظلہ جن سے بڑھ کر اس فن کا غواص اب کوئی موجود نہیں ہے انہوں نے وسائل کی شرح اس انداز پر لکھنا شروع کی جس کی نظیر اس کے قبل نایاب ہے۔ وہ حدیث کو لکھ کر السند، المتن، اللغۃ، المعنی کے عناوین قائم کرکے ہر روایت کے رجال، درایت، لفظ، معنی تمام جہات کی فیصلہ کن شرح لکھتے اور یکسوئی کے ساتھ مختتم نتیجہ حاصل کرتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب موصوف کے قوائے عمل جواب دے چکے ہیں۔ اسی برس کی عمر میں اتنی بڑی خدمت کہاں انجام پاسکتی ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۳ جلدیں صرف کتاب الطہارۃ کی شرح میں پایۂ تکمیل کو پہنچیں اور اس کے بعد انتہائی ضعفِ پیری اور امراض و عوارض سے تصنیف کا سلسلہ ہی قطع ہوگیا اور اتمام ممکن نہ ہوا۔ بہرحال ممدوح نے سنگِ بنیاد قائم کردیا ہے اور کوئی خدا کا بندہ خدا کی توفیق شامل حال ہو تو اس کی تکمیل کردے، کوئی تعجب نہیں ہے۔

یہ وہ خدمات تھے جو براہِ راست علم حدیث کے سلسلہ میں کیئے گئے۔ متعلقات حدیث میں علم درایت ورجال ہے۔ درایت میں سب سے پہلی تصنیف تو ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری کی ہے جنہوں نے ''**معرفت علوم الحدیث**'' کے نام سے پانچ حصوں میں کتاب تصنیف کی۔ ان کے بعد علمائے شیعہ میں سے سید جمال الدین ابوالفضائل احمد بن طاؤس ہیں، جنہوں نے بقول آقا سید حسن صدر صحیح، حسن، موثق اور ضعیف کی اصطلاح قائم کی۔

علامہ حلّی کے شاگرد سید علی ابن عبدالحمید حسنی نے شرحِ **اصول درایۃ الحدیث** تصنیف کی اور شہید ثانی نے **کتاب الدرایۃ** شیخ حسین بن عبدالصمد حارثی والد شیخ بہائی نے وصول الاخیار الی اصول الاخبار اور شیخ بہاء الدین عاملی نے وجیزہ تحریر کیا۔ آخر الذکر کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ متعدد علماء نے اس کی شرح تصنیف کی۔ ہمارے ہندوستان ہی میں تاج العلماء سید علی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ نے اس کی تین شرحیں لکھیں، ایک مختصر،

دوسری متوسط ''جوهرۂعزیزہفی شرح الوجیزہ'' تیسری بڑی مبسوط ''سلسلة الذهب'' مولانا امجد حسین صاحب الٰہ آبادی اعلی اللہ مقامہ نے صفائح الابریز فی شرح الوجیز بھی اچھی شرح لکھی ہے۔ عراق میں خاتمة المحدثین تحریر فرمائی جو مبسوط اور نہایت کثیر الفوائد ہے۔

علم رجال میں سب سے پہلے مصنف ابوعبداللہ ابن محمد بن خالد برقی ہیں۔ یہ امام موسیٰؑ کاظم علیہ السلام کے اصحاب میں سے دوسری صدی ہجری میں تھے۔ ان کی کتاب رجال کا تذکرہ ابن ندیم نے فہرست میں کیا ہے اور نہایت خوشی کی بات ہے کہ ان کی کتاب رجال اس وقت تک موجود ہے۔ ابوجعفر یقطینی جو امام محمد تقی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے انہوں نے رجال میں کتاب لکھی اور اس کا تذکرہ بھی فہرستِ نجاشی اور فہرست ابن ندیم میں موجود ہے۔

ابومحمد عبداللہ بن جبلہ بن حیان بن الجر کنافی نے کتابِ رجال تالیف کی۔

چوتھی صدی ہجری میں شیخ ابوالحسن محمد بن احمد بن داؤد قمی نے کتاب الممدوحین والمذمومین من الرواة لکھی اور شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی نے کتاب معرفة الرجال اور کتاب الرجال المختارین من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم اور شیخ ابوبکر جعابی نے کتاب الشیعه من اصحاب الحدیث و طبقاتھم۔ یہ معروف ومشہور تصانیف تھے لیکن ان تمام کتابوں میں جو اس کے بعد سے اب تک تصنیف ہوئیں، جن کتابوں نے بقاء دوام کی سند حاصل کی وہ رجال ابو عمرو کشی اور فہرست مصنفی الشیعه للنجاشی اور شیخ طوسی کی کتاب رجال اور کتاب فہرست اور علّامہ حلی کی کتاب خلاصة الرجال اور ان سب کا مجموعہ اور نتیجہ منهج المقال مشہور بہ رجال کبیر مرزا محمد استر آبادی جس پر آقا باقر بہبہانی نے حواشی تحریر کئے اور اصل کتاب اور ان حواشی کو لے کر شیخ ابوعلی حائری نے کتاب منتهی المقال تصنیف کی جس میں اگر اتنا عیب نہ ہوتا کہ مجہولین کو بالکل نظر انداز ہی کر دیا تو بہترین کتاب تھی۔ بہرحال اس میں شبہ نہیں کہ منتهی المقال کے بعد پھر اس پایہ کی کوئی کتاب بہت طویل عرصہ تک تصنیف نہیں ہوئی۔

بے شک اب بالکل قریبی دور میں ہمارے شیخ الحدیث آقا شیخ عبداللہ مامغانی نجفی طاب ثراہ نے ایک مبسوط ترین کتاب رجال میں تصنیف فرمائی ہے جس میں ہر راوی کے متعلق بالکل کتب فقہیہ کے انداز پر نقل اقوال کرتے، ہر ایک کے دلائل ذکر کرتے اور پھر محاکمہ کرتے ہیں۔ اس کی تصنیف میرے سامنے ہی شروع ہوئی، میرے ہی سامنے ختم ہوئی اور میرے ہی سامنے چھپنا شروع ہوئی اور اب وہ مکمل تین جلدوں میں طبع ہوگئی ہے۔ میرے خیال میں یہ کتاب علم رجال کی دوسری تمام کتابوں سے مستغنی کر دینے والی ہے۔

علم حدیث کے متعلق دو کام ابھی کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ موجودہ تمام جوامع حدیث میں سے جن میں میرے خیال میں وافی و وسائل بالکل کافی ہیں ہر حیثیت سے جو قابلِ احتجاج واستناد احادیث ہیں ان کا انتخاب کر کے مجتمع کر دیا جائے جس کے روایات بالکل مستند اور معتبر اور معمول بہ حیثیت رکھتے ہوں۔ دوسرے ما لا ینحج به من الاخبار کے ایسے نام سے ایسے روایات جن سے تمسک کرنا درست نہیں ہے بیان وجہ ضعف وعدم استناد کے ساتھ تحریر کر دیئے جائیں۔

اگر یہ دونوں کام ہوجائیں تو بہت ایسی غلطیاں جو بےمحل روایات کے پیش کرنے سے پیدا ہوتی ہیں ان کا سدِ باب ہوجائے گا۔

تیسرا کام اور ہے جو تدوینِ حدیث سے خاص متعلق کام نہیں ہے لیکن ایک حیثیت سے تعلق رکھتا ہے اور وہ فقہ الحدیث کی تصنیف ہے جس میں مشکلات معانی احادیث کا صحیح حل مکمل صورت سے تحریر کیا گیا ہو، ان کاموں کے لئے بڑی توفیق الٰہی کی ضرورت ہے اور جس کے یہ توفیق شامل حال ہوگی اس کے ہاتھ سے انجام پائیں گے۔

اشاعت اولی: سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۳۵۔ جمادی الاول ۱۳۸۸ھ